شہر وفا کے آئینے میں

آسیہ مظہر

نایاب اور ریحانہ کی اس دن ہونے والی بات چیت کے بعد سے نایاب بے چین تھی۔ اس نے ایک دو بار ریحانہ سے بات کرنا چاہی۔ مگر ریحانہ کے چہرے پر ناراضگی بھرے تاثرات دیکھ کر، اس کی ہمت کم پڑ جاتی۔ اسے اب اپنے آپ سے وحشت ہونے لگی تھی۔ اچھی بھلی تو زندگی گزر رہی تھی۔ مگر اس محبت نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ ایک معاملہ سلجھاتی تو ایک اور الجھنے کو تیار ہوتا۔ شاہ ویز کی فکر گھر والوں کی فکر۔ سماج کی فکر۔ وہ اتنی فکریں پال بیٹھی تھی کہ اس کا دل چاہتا کہ وہ سب کچھ چھوڑ، چھاڑ کر کہیں دور کسی اور دنیا میں گم ہو جائے۔ جہاں کوئی نہ ہو نہ کوئی احساس نہ کوئی رشتہ۔ وہ سب پریشانیوں فکروں سے آزد ہو جائیں۔ مگر یہ خیال بھی پل بھر کے لئے ہوتا۔ اسے پھر اس محبت کی دی پریشانیاں ستانے لگیں اور وہ بے

ناولٹ

بس ہو جاتی۔ محبت نے صرف یہی اختیار تو اپنے چاہنے والوں کے لئے چھوڑ رکھا تھا اور ابھی بھی وہ اپنے کمرے میں بے چینی سے چکر کاٹ رہی تھی کہ اچانک ریحانہ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئیں۔

''بھابھی'' ریحانہ کو دیکھ کر وہ بے تابی سے بولی تھی۔

''نایاب، اب اور کوئی دلیل، صفائی مت دینا اور مجھے تو حیرت ہے کہ تم یہ سب کیسے کر سکتی ہو۔'' ریحانہ کی ناراضگی ابھی تک قائم تھی۔

''بھابھی کم از کم ایک تو، یہ سب نہ کہیں'' وہ افسردہ ہوئی تو ریحانہ نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا اور پھر خود اس کے پاس بیٹھ کر بولیں۔

''نایاب میں سب سمجھتی ہوں محبت کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ مگر جس خاندان سے تمہارا تعلق

www.zemtime.com

چھٹی قسط

www.zemtime.com

ہے وہاں یہ کبیر گناہ ہے۔ تم بابا کو اچھے سے جانتی ہو یہ تباہی ہے۔ تمہاری ایک بھول کئی زندگیاں برباد کردے گی۔"

"میں جانتی ہوں، بھابھی، مگر کیا کروں مجھے کوئی رستہ سجھائی نہیں دے رہا" وہ بے بسی سے رودی تھی۔ ریحانہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

"آپ بھی مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ ریحانہ نے جواباً اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھرا اور شفقت بھرا لہجہ اپناتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"میں، نہ تم سے ناراض تھی اور نہ تمہیں غلط سمجھ رہی ہوں، ہاں، مجھے غصہ تھا کہ تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے شیئر نہیں کی، خیر ان سب باتوں کو چھوڑو اور سب سے پہلے رونا بند کرو، جس نایاب کو میں جانتی تھی وہ اتنی کم ہمت نہیں تھی اور اب مجھے کھل کر بتاؤ کہ تم اصل میں کیا چاہتی ہو۔" ریحانہ نے اس سے اب کے دو ٹوک پوچھا تھا۔

"میں محبت کے اس بوجھ سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔" ریحانہ نے اس کی بات پر اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا نایاب" ریحانہ نے ناسمجھی کے انداز سے پوچھا تو وہ بولی۔

"کیا، آپ میرا ساتھ دیں گی۔" اس نے یقین دہانی چاہی تھی۔

"اگر میرے بس میں ہوا۔ تو"۔ ریحانہ نے حامی بھری۔

"آپ نے بابا کے سامنے شاہ ویز کا پروپزل رکھنا ہے۔"

"یہ بات تم پہلے بھی کر چکی ہو نایاب، تم جانتی ہو ایسا ممکن نہیں ہے۔" ریحانہ نے انکار کرتے ہوئے کہا تو اس نے ریحانہ کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے "پلیز، بھابھی، انکار مت کیجئے"۔ وہ منتوں پر اتر آئی تھی۔ ریحانہ نے اس پاگل لڑکی کو افسوس بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"نایاب اس محبت میں سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں ہے۔" انہوں نے فقط دل میں گمان کیا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں شاہ ویز کا پروپزل بابا کے سامنے رکھ گئی۔ مگر تم وعدہ کرو، اگر انکار ہوا تو تمہیں شاہ ویز کو بھلانا ہوگا، اُس سے، ہر تعلق ختم کرنا ہوگا"۔ ریحانہ کے آخری جملے نے جیسے اس کا اندر، سے دل نوچ لیا تھا۔

"ٹھیک ہے" یہ دو لفظ ادا کرتے ہوئے، اس نے کس درد کو جھیلا تھا۔ یہ وہ ہی جانتی تھی۔

"ابھی عائشہ اور فرحان کی شادی نمٹ جائے تو پھر یہ معاملہ ڈسکس کروں گی مگر پلیز تم ایسا کچھ نہ کرنا جس سے معاملات خراب ہو جائیں" اس نے محض اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس کے دل سے کچھ بوجھ ہٹ گیا تھا فل وقت کے لئے یہی کافی تھا۔

✧✧✧

بھیانک رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ اس بھیانک رات کی سیاہی نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ عیبو ابھی تک دروازے پر ساکت کھڑی تھی۔ سفینہ کی آواز کی بازگشت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ مگر اس کی قوت سماعت جیسے کھو چکی تھی۔ اسے آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھی۔ نہ بارش کا شور، سفینہ کی گئی کوئی التجا نہ رات کی یہ چھائی منحوس خاموشی وہ سب سے ماورا ہو چکی تھی۔ اس کی ساکت نظریں بس چائے کے خالی کپ پر جمی تھیں۔

www.zemtime.com

''تو کیا اس کی اماں مر جائے گی، وہ اسے اور دلو کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلی جائے گی اس احساس نے یکدم اسے ساکت کدے سے باہر نکالا تھا۔ وہ تیزی سے، سفینہ کی طرف لپکی تھی۔

''اماں، تو ٹھیک ہے، اماں مجھے سن رہی ہے..... آنکھیں کھول اماں''۔ وہ رونا چاہتی تھی۔ مگر آنسو جیسے اس کی آنکھوں میں خشک ہو گئے تھے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر اس کی آواز جیسے حلق میں ہی دب کر رہ گئی تھی۔

''اماں، تو جانتی ہے نہ میرا اور دلو کا تیرے بغیر اس دنیا میں کوئی نہیں ہے'' اماں تو سُن رہی ہے نہ''۔ وہ سفینہ کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

''وہ ابا، دادی، وہ دلو کو بیچ رہے ہیں۔ ابا بہت ظالم ہے اماں، وہ ہمارے دلو کو ہم سے دور لے جائے گا، اٹھ اماں، مجھے اب ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ سفینہ کو جھنجوڑ رہی تھی۔

مگر سفینہ گہری نیند سو چکی تھی۔ کبھی نہ اٹھنے کے لئے

باہر بارش لگاتار برس رہی تھی۔

✦✦✦

ملک حویلی میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری ہو چکی تھی۔ کیونکہ سرمد ملک نے اس ماہ کے آخر میں عائشہ اور فرحان کے نکاح کی ڈیٹ فکس کی تھی۔ نایاب نے بھی یونی سے چھٹیاں لے لی تھیں۔ ان دنوں اس کا شاہ ویز سے بہت کم رابطہ ہو پاتا تھا۔ کیونکہ وہ بھی اپنی نئی نئی جاب میں مصروف تھا۔ تو وہ اپنے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی اور اس نے شاہ ویز کو ریحانہ سے ہونے والی ساری گفتگو کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اس لئے وہ بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ حویلی میں گہما گہمی بڑھ چکی تھی۔ آئے دن بازاروں کے چکر۔ ملازموں کے ساتھ الگ دماغ کھپانا، ریحانہ اور نایاب کی ذمہ داری تھی۔ کیونکہ گھر میں یہی دو خواتین تھیں۔ ماں جی، تو بولنے سننے کی نعمت سے محروم تھیں۔ سُننے میں ہی آیا تھا کہ ان کی شادی کے تیسرے چوتھے دن ہی کوئی حادثہ ہوا تھا۔ جس میں بیگم سرمد کی قوت سماعت اور بولنے کی قوت دونوں چلی گئی تھیں۔ مگر یہ واقعہ کوئی حادثہ تھا یا کوئی اور بات تھی۔ راز ہی تھا۔ ویسے بھی اک حویلی کے تمام فیصلے سرمد ملک ہی کرتے چلے آ رہے تھے۔ بیگم سرمد کا بولنا یا نہ بولنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس دن بھی وہ دونوں شاپنگ کے بعد کھانے پینے کی غرض سے اس شاپنگ مال میں بنے کیفے ٹیریا میں بیٹھی تھیں جب نایاب کو ایک میز پر شاہ ویز بیٹھا نظر آیا تھا۔ وہ اکیلا بیٹھا۔ شاید وہاں کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ نایاب کو، یہ بہتر موقع نظر آیا تھا کہ وہ ریحانہ کی ملاقات شاہ ویز سے کروا دے۔

''بھابھی مجھے آپ کو، کسی سے ملوانا ہے''۔ اس کے لہجے میں خوشی کے ساتھ بے تابی چھلکی تھی۔

''کس سے''۔ ریحانہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''شاہ ویز سے۔'' وہ بولی تو ریحانہ ٹھٹکی۔

''تم نے اسے بلایا ہے''۔ ریحانہ کے لہجے میں خفگی دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

''بھابھی میں نے اسے نہیں بلایا۔'' اس نے بے یقینی سے ریحانہ کی طرف دیکھا تھا۔

''میں تمہیں بار بار ایک ہی مشورہ دوں گی نایاب محتاط رہو۔ تمہاری جلد بازی کوئی مصیبت کھڑی کر سکتی ہے۔''

''بھابھی میں نہیں جانتی کہ میں آپ کے لئے اتنی بے اعتبار ہو چکی ہوں''۔ اس کے لہجے میں افسوس چھلکا تھا۔ ریحانہ کو یک دم، اپنے

www.zemtime.com

لفظوں کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔

''میرا، وہ، مطلب نہیں تھا'' نایاب اب کے وہ شرمندہ ہوتیں۔

''کوئی، بات نہیں بھابھی چلیں یہاں سے چلتے ہیں۔'' وہ فوراً اپنا ہینڈ بیگ اور شاپنگ بیگز، ہاتھ میں پکڑے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ایسے کیسے، بھئی، تمہاری شاہ ویز صاحب سے تو دو، دو ہاتھ مطلب ملاقات کریں۔'' ریحانہ اب کے شرارت بھرے لہجے میں بولیں تو وہ ناراضگی سے منہ، دوسری طرف پھیر کر رہ گئی۔

''سوری، نایاب! میرا ہرگز مطلب تمہاری دل آزاری کرنا نہیں تھا۔ ان سب باتوں کے پیچھے میرے کیا خیالات ہیں، تم ابھی نہیں سمجھو گی اور میری دعا ہے کہ تم پر کوئی ایسا وقت آئے ہی نہیں کہ میری روک ٹوک تمہارے لئے پچھتاوا بنے۔ خیر اب غصہ چھوڑو آؤ ملتے ہیں۔ ویسے بھی میرا اس سے ملنا ضروری ہے۔'' ریحانہ آگے بڑھ گئی تھی اور ریحانہ کی تقلید میں وہ بھی پیچھے ہولی۔

✧✧✧

''اسلام علیکم''۔ ریحانہ نے شاہ ویز کو پکارا جو شاید کسی کے انتظار میں اپنی گھڑی بار بار دیکھ رہا تھا۔ اس پکار پر اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تو ریحانہ کے پیچھے کھڑی نایاب کو دیکھ کر ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ نایاب نے اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ ریحانہ نے پل بھر میں اس کا جائزہ لیا۔ چھ فٹ سے نکلتا قد، کشادہ پیشانی اور روشن آنکھوں والا لڑکا انہیں پسند آیا تھا۔

''میں نایاب کی بڑی بھابھی ہوں، کیا ہم یہاں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟'' ریحانہ نے پوچھا تو اس نے ہڑبڑا کر نایاب کو دیکھا۔ نایاب نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''جی، جی، ضرور، سوری'' وہ معذرت کرنے لگا۔

''کوئی بات نہیں۔ آپ شاید یہاں کس کا ویٹ کر رہے ہیں۔'' ریحانہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی ایک بزنس ڈیلنگ کے سلسلے میں ایک کلائنٹ سے ملنا تھا''۔ وہ کچھ نروس تھا۔

''اوہ! اوکے، چلیں پھر کسی دن آپ سے ملاقات ہوتی ہے۔'' ریحانہ بولیں۔

''نن، نہیں، آپ بیٹھیں، سوری میں آداب میزبانی تک نبھانا بھول گیا۔ کیا لیں گی آپ۔''

''کچھ بھی نہیں آپ کا شکریہ۔ ہم چلتے ہیں۔'' اس سارے عرصہ میں نایاب خاموش ہی رہی تھی۔ اس نے ایک نظر نایاب کی طرف دیکھا۔ نایاب نے جواباً محض سر ہلا کر، سب اوکے کا اشارہ کیا تھا۔

''لگتا ہے، آپ نے شاہ ویز کا صرف جائزہ ہی لینا تھا'' مال سے باہر آ کر نایاب نے ریحانہ سے پوچھا تھا۔

''ہاں، اچھا لڑکا ہے مجھے تمہارا انتخاب پسند آیا۔'' ریحانہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ شرم سے محض لب کاٹ کر رہ گئی۔

''بھابھی'' اس نے گھورا تو ریحانہ قہقہہ لگا کر ہنس دی تھی۔ جواباً ریحانہ کچھ کہتی کہ گاڑی ان کے قریب آ کر رکی تھی۔ تو انہیں اپنی بات وہیں روکنی پڑی تھی۔

''سیدھا، گھر چلو''۔ گاڑی میں بیٹھ کر ریحانہ نے حکم صادر کیا۔ تو گاڑی ان کو لیے آگے بڑھ گئی تھی۔

✧✧✧

www.zemtime.com

اور بالآخر عائشہ اور فرحان کی شادی کا بھی دن آ پہنچا تھا۔ ملک حویلی اس سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ حویلی کے لان میں ہی سارا انتظام کیا گیا تھا۔ مہندی کل رات سادگی سے انجام پذیر ہوئی تھی۔ بارات میں صرف گھر کے اور چند قریبی دوست احباب ہی مدعو تھے۔ کیونکہ عائشہ کے والد سرمد ملک کے قریبی دوستوں میں شامل تھے اور ایک ریٹائرڈ افسر تھے۔ سفید پوش لوگ تھے۔ تین بیٹیاں ہی تھیں سب سے بڑی عائشہ تھی تو سرمد ملک ان پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ اس لئے نکاح اور بارات کے فنکشن سادگی سے ہوئے تھے۔ اور آج ولیمہ تھا۔ تو سارے شہر کی کریم موجود تھی۔ ولیمہ کا فنکشن کافی دھوم دھام سے منعقد کیا گیا تھا۔ نایاب اور ریحانہ گھن چکر بنی ہوئیں تھیں کیونکہ سارا، گھریلو ذمہ ان کے سر تھا۔ نایاب نے سفید کلیوں والا فراک زیب تن کیا ہوا تھا۔ جن کے گلے اور بازوؤں پر نگینے جڑے ہوئے تھے۔ کانوں میں چاندی کے جھمکے پہنے ہوئے تھے۔ براؤن سلکی بال بائیں کندھے پر ڈالے سفید شفون کا بڑا سا دوپٹہ دائیں کندھے پر پھیلائے وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی جبکہ ریحانہ بھی لائٹ پنک، بنارسی ساڑھی پہنے سوبری لگ رہی تھیں۔ عائشہ کی چمک دمک بھی نرالی تھی۔ سرخ اور گرے لہنگے میں شرمائی لجاتی سی عائشہ پر بھی ٹوٹ کر روپ برسا تھا۔ فوٹو سیشن کے بعد مہمانوں کے لئے کھانا کھول دیا گیا تو سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ریحانہ اور نایاب مہمان خواتین کے پاس جا کر ان سے ملاقات کر رہی تھیں۔ ان میں سے کئی خواتین نے تو نایاب کو دل ہی دل میں اپنی بہو کے عہدے پر فائز ہی کر دیا تھا۔ مگر ہمارے اس دل کی سب خواہش کہاں پوری ہوتی ہیں۔

ریحانہ کے میکے سے بھی سب مدعو تھے۔ ریحانہ کی والدہ اور بھائی کی کل عمر ادائیگی کی فلائٹ تھی۔ تو کھانے کے فوراً بعد ہی انہوں نے جانے کی اجازت چاہی۔ تو ریحانہ نے نایاب کو اندر سے عائشہ اور فرحان کے نکاح کے شگن کے طور پر دینے والے تحائف لانے کو کہا۔ کیونکہ یہ لوگ نکاح اور بارات میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔ تو ایک رسم ہوتی ہے کہ نکاح کی خوشی میں قریبی عزیزوں کو تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں۔ نایاب ریحانہ کے اشارے پر سر ہلاتی اندرونی حصے کی جانب بڑھ جاتی ہے۔ تقریب کا انتظام حویلی کے پیچھے والے لان میں کیا گیا تھا۔ کچن کا پیچھے والا دروازہ اس لان میں کھلتا تھا۔ ورنہ اگر سیدھے راستے آیا جائے تو پوری حویلی گھوم کر آنا پڑتا۔ نایاب۔ کچن والے رستے آئی مگر آگے کچن کا بیک ڈور شاید اندر سے، کس نے لاک کر دیا تھا۔ مجبوراً اسے دوسرے رستے سے، جانا پڑا وہ اپنی دھن میں تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک کس سے زوردار ٹکر نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ اس نے سنبھل کر اپنے سے ٹکرانے والے شخص کو دیکھا تو اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

"شایان صدیقی"۔ وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

✦✦✦

"کیا سوچا ہے، پھر تو نے چاندنی؟" پھول بائی سروتے سے چھالیہ نکال کر کھاتے ہوئے چاندنی سے مخاطب ہوئی جو اپنی زلفوں کو سلجھانے میں مگن تھی۔ پھول بائی کے مخاطب کرنے پر چونکی۔

"کیا مطلب اماں"۔ اس نے نا سمجھی سے

www.zemtime.com

پھول بائی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ان دونوں سے تھوڑی دور پانچ سالہ فضہ، طبلے کے ساتھ کھیلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''آئے ہائے ایک تو میری ساری کی ساری نگوڑ ماری لڑکیاں، کم بخت ساری عقل سے پیدل ہیں۔'' پھول بائی نے غصے سے سروتے کو ایک جانب سے اُٹھا کر دوسری جانب پٹخا۔

''ایک نے عشق معشوقی کر کے بیوہ کا جھومر ماتھے پر سجالیا'' یہ کہتے ہوئے چاندی کو طنزیا دیکھا گیا۔

''اور باقی کی دو، کا وہ کیا کہتے ہیں انگریجی میں سیٹ ہی خراب ہے، ہمیشہ کنگلوں کے اوپر ہی دل ہارتی ہیں۔ میری تو قسمت ہی خراب ہے۔''

''اماں مت بھول، اسی بیوہ کا لایا مال تو کئی ماہ ہڑپ کرتی رہی ہے۔''

چاندنی نے جواباً گھور کر اپنی اس احسان فراموش ماں کو دیکھا۔

''اور جو تو اور تیری بیٹی کئی ماہ سے اس در پر پڑی ہو اس کا حساب کون چکتا کرے گا۔ پھول بائی نے جوابی وار کیا تو اب کے وہ خاموش ہو گئی۔

''دیکھ چاندی تو اس بازارِ حسن کے قاعدے قوانین اچھے سے جانتی ہے۔ یہاں، تیرا میرا کچھ نہیں چلتا۔ نہ دو اور لو والا حساب ہے۔ بس آنا چاہئے۔ یہی اس کوٹھے کا اصول ہے۔ میں ماں ہوں، تیری اس لئے تجھے یہاں پناہ دی ہے۔ ورنہ تو جانتی ہے یہاں کنگلوں کو دور سے سلام بھی نہیں کیا جاتا اور تو اب شادی شدہ ہو کر بیوہ ہو چکی ہے۔ تو اس بازارِ حسن میں تیری حیثیت کوڑی کی بھی نہیں رہی۔ تجھے کتنا سمجھایا تھا مت یہ موئی محبت کا روگ پال مگر تو نے میری ایک نہیں سنی اور اس محبت کے لئے اپنی پوری زندگی برباد کر ڈالی۔ چاندنی سر جھکائے بیٹھی تھی پھول بائی نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''ہم طوائف زدیوں کو محبتیں راس نہیں آتی اب بھگتو نتیجہ۔''

''ٹھیک ہے اماں میں، اپنا کہیں اور بندوبست کر لوں گی تیرے لئے تو اب میں ناکارہ ہو چکی ہوں اور ناکارہ مال کی جگہ اس کوٹھے میں نہیں ہوتی۔''

''تیری بیٹی۔'' پھول بائی نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ چاندی نے اسے ٹوک دیا۔

''بس اماں! میری بیٹی کے بارے میں کچھ مت کہنا، فرید ملک سے کیا ہر وعدہ میں نے توڑ دیا ہے۔ مگر اس کی بیٹی کو میں کبھی اس بازار کا باسی نہیں بننے دوں گی۔''

''اچھا'' پھول بائی جواباً قہقہہ مار کر ہنسی تھی۔

''طوائف زادی کی بیٹی طوائف زادی ہی بنتی ہے چاندنی'' پھول بھائی نے طنزاً کہا تھا۔

''وہ شریف باپ کی بیٹی ہے اس کی رگوں میں ایک خاندانی شریف باپ کا خون ہے۔ یہ جگہ اس کیلئے کبھی نہیں ہو سکتی۔''

''چل تیری مرضی، خاندان اور شریف کا تمغہ تجھے مبارک ہو، اور اپنا بندوبست کہیں اور کر لے۔ تیرے کمرے میں نئی لڑکیوں کو ڈالنا ہے۔'' چاندنی نے جواباً بے بسی سے اپنی سنگدل ماں کو دیکھا تھا۔

فضہ ابھی بھی طبلے کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

✦✦✦

اور سفینہ ان کو چھوڑ گئی تھی۔ اس کے دکھ درد، سب اس کے ساتھ ہی ابدی نیند سو گئے تھے۔

www.zemtime.com
ZEMTime.com

اس نے پوری زندگی ہی بڑے دکھ جھیلے تھے اور دلو کی پیدائش پر تو ان دکھوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں بیٹا پیدا ہو تو عورت کے قدم اس کے سسرال میں مضبوط ہو جاتے ہیں۔ مگر اسے بیٹا تو ہوا تھا مگر تیسری جنس کی ماں ہونے کے طعنے ملے تھے۔ وہ لوگوں کے لئے تیسری جنس تھا۔ مگر سفینہ کے لئے اس کی اولاد تھی۔ وہ بس ماں تھی اور ماں کو اپنی اولاد بڑی عزیز ہوتی ہے۔ تو وہ بھلا کیسے دلو سے نفرت کر سکتی تھی۔ اس نے ساری زندگی دلو کو اپنی ممتا کے پروں میں چھپایا تھا۔ ہر طعنہ وہ خود سہتی کیونکہ وہ اس کے پیٹ کا جنا تھا۔ وہ اس پر کیسے کوئی آنچ آنے دیتی اور آج وہ اپنی ہر ذمہ داری عیبہ کے کندھوں پر ڈال کر ابدی نیند جا سوئی تھی اس کے چہرے پر سکون تھا۔

عیبو کے لئے یہ سب عجیب تھا۔ سب کچھ اچانک تھا۔ مگر موت تو اچانک ہی آتی ہے بنا بتائے چپکے سے۔ اس ننھی جان پر بہت بڑا بوجھ آ پڑا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ کیا کرے۔ وہ کیا کر سکتی تھی۔ وہ رونا چاہتی تھی مگر آنسو جیسے روٹھ گئے تھے۔ وہ خوفزدہ ہونا چاہتی تھی مگر اس کا خوف کہیں دور جا سویا تھا۔ وہ سفینہ کی آغوش میں سونا چاہتی تھی۔ مگر وہ آغوش اس سے چھن چکی تھی۔ عیبو کے لئے شاید سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ اس نے پتھرائی آنکھوں سے سفینہ کو دیکھا اور پھر ایک نظر بے خبر سوئے دلو کو۔ تو اچانک ہی دلو کو دیکھ کر اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔ وہ ہوش میں آئی تھی۔ اس دلو کو بچانا تھا۔ اسے سفینہ کی بات کا مان رکھنا تھا۔ وہ مضبوط قدموں سے دلو کی طرف بڑھی تھی۔

باہر بارش اسی طرح برس رہی تھی۔

✦✦✦

''شایان صدیقی۔''

''کیوں نایاب سرمد، مجھے یہاں دیکھ کر حیرانی ہوئی۔'' وہ مسکرایا تھا۔ چند لمحے وہ بول ہی نہیں پائی تھی اسے دیکھ کر یکدم اسے وہ پچھلی ملاقات یاد آئی تو وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

''نہیں حیرانی کس بات کی مسٹر شایان صدیقی، شادی والا گھر ہے۔ آپ ایز گیسٹ آئیں ہیں۔ اٹس نارمل۔'' وہ نارمل لہجے میں بولی تھی۔

''ہمی، اٹس نارمل'' وہ مسکرایا۔

''یہ نہیں پوچھیں گی، کہ یہ گھسیٹ کس کی طرف سے انوائٹڈ تھا۔''

''آف کورس آپ لڑکی والوں کی طرف سے ہوں گے، اینی وے، مجھے ذرا جلدی ہے سو پلیز۔'' اس نے جانے کے لئے راستہ مانگا تو وہ بھی مسکراتے ہوئے ہٹ گیا۔

''اوہ، شیور''۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

''ویسے جاتے جاتے سنتی جائیں نایاب سرمد، ہمیں یہاں سرمد ملک نے انوائٹ کیا ہے، کیونکہ ہم بزنس پارٹنر ہیں۔ تو فیملی گیدرنگ میں ہمارا آنا تو بنتا ہے۔''

وہ لحظہ بھر رکی تھی اور پھر سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

''ایک دن تم بہت پچھتاؤ گی، نایاب سرمد، تمہاری زندگی جہنم نہ بنا دی تو نام بدل دینا، میرا، تم سے وعدہ رہا مجھے اب تم سے محبت نہیں رہی۔ تم میری ضد ہو اور میں اس ضد کو مٹی میں ملا کر ہی دم لوں گا۔'' اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ وہ اس سے بھی انسان کے روپ میں شیطان لگ رہا تھا۔

دوسری طرف نایاب بے چین سی ہو گئی تھی۔ کیونکہ شایان صدیقی کا یہاں آنا اسے کسی

www.zemtime.com

خطرے کی گھنٹی لگ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس بار بار اسے بیدار کر رہی تھی۔ اس ایک ملاقات میں ہی اس نے شایان صدیقی کی، نیچر کو اچھے سے جان لیا تھا کہ وہ ایک ضدی اور خود سر انسان تھا۔ اور اسے انسان بہت خطرناک ہوتے ہیں وہ اپنی ضد پوری کرنے کے لئے، کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ اور نایاب نے اس کی محبت ٹھکرائی تھی۔ تو کیا وہ یہ بات بھول چکا ہوگا؟ نایاب کو اب نئے سرے سے ایک اور ٹینشن نے آگھیرا تھا۔ مگر اس نے اپنے خیال کو جھٹکا یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ جو وہ اپنے حواسوں پر سوار کر رہی تھی۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ ''اگر وہ بابا کا بزنس پارٹنر ہے تو اس میں میرا کوئی لنک نہیں ہوگا، میں کچھ زیادہ ہی سوچ رہی ہوں۔'' اس نے اپنے خیالات کو جھٹکا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''مگر نایاب سرمد'' یہ نہیں جانتی تھی کہ شایان صدیقی بھولنے والوں میں سے نہیں تھا.....

وہ کچن میں داخل ہوئی تو آگے بوا، ساس پین میں چائے کا پانی رکھ رہی تھی۔ شاید کسی نے چائے کا کہا تھا۔

''بوا ایک کپ میرے لئے بھی بنا دیجئے گا اور یہ بتائیں، وہ مٹھائی کے ٹوکرے کہاں پڑے ہیں۔'' وہ تیزی سے کہہ کر ادھر ادھر نگاہیں گھمانے لگی۔

''اچھا بیٹا، بتائے دیتی ہوں اور مٹھائی کے ٹوکرے بھی نکال دیتی ہوں۔''

''تھینکس'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی کہ اچانک ہی اس کے موبائل فون پر رنگ ہوئی۔

''شاہ ویز کالنگ'' اس نے کال اٹھائی تھی۔

''اسلام علیکم'' اس نے سلامتی بھیجی۔

''وعلیکم اسلام، ویسے تم، کتنی ظالم ہو۔'' سلام کا جواب دینے کے بعد فوراً شکوہ داغا گیا۔

''کیوں، کیا ہو گیا، کونسا ظلم کر دیا میں نے آپ پر'' وہ انجان بنی۔

''اچھا، اب اوپر سے انجان بنا جا رہا ہے۔ یعنی دہرا ظلم''

''شاہ ویز آپ کبھی سیدھی بات نہیں کیجئے گا۔'' اب کے وہ غصہ ہوئی تھی۔

''یہ محبت سیدھی کب ہوتی ہے؟'' جواباً معصومیت سے پوچھا گیا۔

''میں کال بند کر رہی ہوں۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''اچھا بابا سوری، ایک تو تم مذاق کو ہی سیریس لے لیتی ہو''۔ وہ ہنسا تھا۔

''ہوں'' وہ مصروف سی بولی اس کا دھیان چائے کی طرف تھا۔

''کیا ہوا؟''

''چائے میں دودھ ڈال رہی۔'' بوا، باہر چلی گئی تھیں۔

''بھائی کی شادی کی مبارک ہو''۔

''خیر مبارک''۔ وہ بولی

''کیسی لگ رہی ہو؟''

''ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت'' وہ اترائی تھی۔

''اب میں کیسے یقین کر لوں'' وہ شوخ ہوا تھا۔

''تو نہ کریں، یقین'' وہ بے پروا ہوئی۔

''جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں، یقین نہیں آئے گا جانِ من۔''

وہ شدت جذبات سے بولا تو نایاب کے گال اناری ہو کر دہکنے لگے تھے۔

''میں فون بند کر رہی ہوں۔''

''یعنی تم نے قسم کھالی ہے'' شادی کے بعد بھی ایسے ہی کرنا تم نے''۔ وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

www.zemtime.com

''نن، نہیں، شادی کے بعد تو نہیں''۔ وہ یکدم گھبرا کر بولی تو، دوسری طرف سے شاہ ویز کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

''میں یہی سنتا تھا''۔ اس کا لہجہ شرارتی تھا۔

''بہت بدتمیز ہیں، آپ جائیں میں نہیں بات کرتی، آپ سے''۔ وہ فون کاٹنے لگی تو وہ فوراً بولا۔

''اچھا، اچھا، سوری یار! مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی''۔ اب کے وہ سیریس ہوا۔

''جی'' نایاب نے پوچھا۔

''میں اپنے چچا چچی کو کب تمہارے گھر بھیجوں'' وہ اصل مدعے کی جانب آیا تھا۔

''ابھی تو نہیں ریحانہ بھابھی جب کہیں گی، پھر کیونکہ ابھی تو فرحان بھائی کی شادی ہوئی ہے، تو انتظار کریں۔''

''اب انتظار ہی تو نہیں ہوتا۔'' اس کے لہجے میں شدت سے بے تابی چھلکی تھی۔

''محبت میں انتظار تو کرنا پڑتا ہے۔'' وہ بولی۔

''اور کئی بار یہی انتظار جان لیوا ثابت ہوتا ہے، یاد رکھنا۔''

''اللہ نہ کرے۔'' وہ اس کی بات پر دہل کر گویا ہوئی۔

''آپ، ہمیشہ سے ہی ایسی باتیں کر کے میرا دل توڑتے ہیں۔'' اس کا لہجہ اب کے نم ہوا۔

''سوری، یار، بس منہ سے نکل جاتا ہے آئندہ نہیں بولوں گا۔'' وہ معذرت کرنے لگا۔

''ہاں میں دل دکھا کر یہ سوری کا لفظ لوگوں نے خوب رٹا ہوا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''تو اب اور کیا کروں، اگر تم پاس ہوتی تو تمہارے چرنوں میں بیٹھ کر تمہیں گلاب کا پھول پیش کرتا۔''

''لگتا آج کل انڈین مویز کچھ زیادہ ہی دیکھ رہے ہی۔'' وہ ہنسی۔

ان دونوں کی محبت ایسی ہی تھی۔ پل میں روٹھنا، پل میں مان جانا۔ میں خلوص تھا عزت و احترام تھا۔ یہ دونوں محبت کے اصل معنوں پر پورا اترتے تھے۔

''اچھا شاہ ویز میں کال رکھتی ہوں،۔'' بوا کو کچن میں آتے دیکھ کر وہ بولی تھی۔

''کب ملو گی۔''

''بعد میں بتاتی ہوں'' کال کٹ گئی تھی۔

''معاف کرنا بیٹا، مجھے کچھ دیری ہوگئی۔''

''کوئی بات نہیں بوا، چائے میں نے کپوں میں ڈال دی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''جیتی رہو، بیٹا اللہ تمہیں بہت سی خوشیوں سے نوازے۔'' بوا نے صدقِ دل سے دعا دی تھی۔

''آمین۔''

✧✧✧

''دلو اٹھو ہمیں یہاں سے جانا ہے۔'' اس نے دلو کو جھنجھوڑتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ تو وہ بعد میں کسمایا تھا۔

''کیا ہے عیبو سونے دو'' وہ گہری نیند میں تھا۔

''اٹھو دلو، ورنہ ابا تمہیں مجھ سے دور بھیج دے گا کیا تم اپنی عیبو کو چھوڑ کر چلے جاؤ گے جیسے اماں.....'' اور وہ اچانک رک گئی۔

''نہیں دلو کو اماں کی موت انہیں بتائے گی۔'' اس نے سوچا، وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ دلو یکدم آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھا تھا۔

''عیبو تو پاگل ہوگئی ہے اس بارش میں کہاں

www.zemtime.com
ZEMTime.com

جانا ہے اور رات بھی ہے، مجھے نہیں جانا، تو جانتی ہے نہ مجھے کتنا ڈر لگتا ہے۔'' وہ خوفزدہ ہوا تھا۔

''تمہاری عیبو تمہارے ساتھ ہے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

''اچھا پھر تو اتنی بہادر ہے۔'' دلو نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

''ہاں اٹھو جلدی سے۔''

''جانا کہاں ہے، اور کیا اماں بھی جائیں گی ہمارے ساتھ'' دلو نے ابدی نیند سوئی ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا تو عیبو کی آنکھیں دوبار چھلکنے کو بے تاب ہوئیں۔

''وہ بعد میں آئے گی۔'' اس نے ٹالا تھا۔

''اچھا میں سمجھ گیا ہم ابا اور دادی سے دور جا رہے ہیں کیونکہ وہ ہمیں پسند نہیں کرتے۔''

''ہاں ایسا ہی ہوے، اب زیادہ باتیں نہیں کرو، اور جلدی چلو''۔ وہ اس کا بازو پکڑ کر باہر نکلی دلو کو باتوں باتوں میں اس نے شوز اور سویٹر پہنا دی تھی۔ مگر وہ خود صرف لیلن کے کپڑوں کے نیچے پلاسٹک کی چپل پہنے ہوئے تھی۔ اسے اس وقت اپنی پرواہ نہیں تھی۔ میں اسے دلو کو یہاں سے دور لے کر جانا تھا۔ کہاں لے کر جانا تھا! وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ بس اسے، یہ گاؤں چھوڑنا تھا۔ ابا اور دادی کی نظروں سے اوجھل ہونا تھا۔ وہ دونوں باہر نکلے تو ایک سرد لہر ان کے ننھے وجود سے ٹکرائی۔ باہر بارش اسی طرح برس رہی تھی۔ کچا صحن پانی سے بھرا ہوا کسی تالاب کا سا منظر پیش کر رہا تھا۔ اس نے مضبوطی سے دلو کا بازو پکڑا اور ایک نظر پیچھے دروازے پر ڈالی جہاں اس کی ماں سکون کی ابدی نیند سو رہی تھی۔ اور وہ دلو کا ہاتھ پکڑے اس تالاب کو عبور کرتے اس گھر کا بیرونی دروازہ پار کر گئی تھی

کبھی واپس نہ آنے کے لئے۔

✧✧✧

وہ فوراً اس کھڑکی کی جانب لپکی تھی مگر کھڑکی کے قریب آ کر اس کا سارا جوش و خروش ملیا میٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ اس کھڑکی کی بیرونی سائیڈ پر مضبوط راڈز لگی ہوئی تھیں۔ جس کو توڑنا اس کے بس کا تو نہیں تھا۔ وہ مایوس ہو کر پیچھے مڑی تو اپنے عین سامنے ''یور ڈریمر'' کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس کی گہری آنکھوں میں خوف تھا۔

''تمہارے سب راستے میری طرف مڑتے ہیں۔ اس لئے کوششیں بے کار ہیں۔'' اس کی گہری بھوری آنکھوں میں چمک تھی اور وہ اس کی آنکھوں کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کا باقی چہرہ اُس کالے ماسک میں قید تھا۔

''آپ مجھے، یہاں کیوں لے کر آئیں ہیں پلیز مجھے جانے دیں۔'' خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ اس کے آنسو دیکھ کر یکدم بے چین ہوا تھا۔ وہ دو قدم قریب آیا تو وہ پیچھے ہٹتے ہوئے کھڑکی کے ساتھ جا لگی۔

''مم، میرے قریب مت آئیں پلیز مجھے جانے دیں۔'' اب کے وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''مجھے، تم اتنے انتظار کے بعد حاصل ہوئی ہو کیسے جانے دوں تمہیں''۔ وہ اب کے اس کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا کر اپنے مضبوط ہاتھوں میں لئے بولا۔ تو ہانیہ کو اس کے ہاتھوں کی گرمائش سے اپنے پورے بدن میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے فوراً اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑائے تھے۔ جسے

www.zemtime.com

''یور ڈریمر'' نے فوراً چھوڑ دیا تھا۔

''آپ کون ہیں؟ مم، میں آپ کو نہیں جانتی پلیز مجھے جانے دیں، میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے''۔ اس نے اب کے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔ اس کی اس بات کے جواب میں ''یور ڈریمر'' نے اب کے غصے سے سامنے دیوار پر مکا دے مارا تھا۔

''اگر اب تم نے کہیں جانے کا نام لیا..... تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا، سمجھی تم۔'' وہ اس کے غصے سے خوفزدہ ہو کر بالکل دیوار کے ساتھ چپک گئی تھی۔

''اور رہی تمہارے گھر والوں کی بات تو میں جانتا ہوں۔ تمہارا اس دنیا میں میرے علاوہ کوئی نہیں ہے، تم صرف اور صرف میری ہو''۔ وہ اسے وارنگ کرتا غصے سے واپس مڑ گیا تھا۔ جبکہ وہ کسی کٹی شاخ کی طرح وہی دیوار کے ساتھ نیچے گرتی چلی گئی تھی۔

پتا نہیں زندگی نے اب اور اس کا کون کون سا امتحان لینا تھا۔ اور کتنے امتحان رہنے باقی تھی وہ لاعلم تھی۔ اس کا دماغ مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

✧✧✧

اندھیرے کا انت ہوا اور کمزور سی روشنی اپنی چلتی رکتی سانسوں کو سنبھالے ہوئے اس تہہ خانے میں داخل ہوئی۔ نایاب نے سر اٹھا کر اس کمزور سی روشنی کو اپنے ساتھ لانے والے کو دیکھا تو نوارد کو دیکھ کر بڑے عرصے بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ بے درد مسکراہٹ۔

ذیشان ملک نے اس کے فرلاغر وجود کو اپنے سامنے ایسے زمین پر پڑا دیکھا تو ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ ایک چمکدار، آنسو ان کی دائیں آنکھ سے بہہ کر کہیں، اندھیرے میں گم گیا تھا۔ یہ وہ نایاب تو نہیں تھی۔ جو آج سے پچیس برس پہلے تھی۔ یہ قسمت نے کیسا کھیل اس کیساتھ کھیلا تھا کہ وہ آج اس حالت میں ان کے سامنے تھی۔ بیمار، قابل رحم، شکستہ حال۔

''نن نایاب'' پتا نہیں کیوں اس کا نام لئے ان کی زبان لڑکھڑائی تھی۔ نایاب نے، سر اٹھا کر جواباً ذیشان ملک کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں کی ویرانی دیکھ کر انہیں خوف آیا تھا۔

''بھائی آج پھر مجھ سے کوئی صافی مانگنے آئیں ہیں آپ، تو پہلے بتا دیتی ہوں اب میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ تہی دامن ہوں اور بھلا اب کسی صفائی دلیل کی ضرورت بھی کہاں باقی ہے۔ جیتے ہوئے لوگوں کو بھلا ہارے ہوئے لوگوں کی وفا کی ضروری ہی کہاں ہوتی ہے۔''

ذیان ملک کو جیسے کسی گہرے ملال نے آگھیرا تھا۔

''تم اگر بابا کی روایات کے خلاف.....''

اور ذیشان ملک کی بات مکمل کرنے سے پہلے ہی نایاب نے انہیں ٹوک دیا۔

''بس بھائی اب بھی شاید، آپ لوگوں کو مجھ پر ترس نہیں آتا، اب اور کونسی قربانی چاہتے ہیں آپ مجھ سے، میرا سب کچھ تو چھین لیا آپ لوگوں نے، گھر، شوہر میری اولاد مار ڈالا سب کو، مجھے زندہ لاش بنا دیا۔ اب بھی بابا کو، کیوں تسلی نہیں مل رہی۔'' اس کے لہجے میں بولتے ہوئے پتھر سی سختی تھی۔

''ہم تم سے معافی مانگ لیں گے بس تم بابا سے معافی مانگ لو اور نارمل زندگی کی طرف لوٹ آؤ'' ذیشان ملک نے التجا کی تھی۔ تو وہ اس بات پر ہنسنے لگی، ایک عرصے بعد اس اندھیر نگری میں کوئی ہنسا تھا۔

''نارمل زندگی، یہ کیا ہوتی ہے بھائی! جب

www.zemtime.com

میری زندگی ہی نہیں رہی تو کیسی نارمل زندگی۔
..... زندگیاں آپ لوگوں پر لاگو ہوتی ہیں۔ بھائی مجھ جیسی زندہ لاش پر نہیں اور میں ہزار بار، دہرا چکی ہوں، مجھے کسی سے، کوئی گلہ نہیں میں نے سب کو اپنی محبت کے صدقے معاف کیا اور رہی بات، بابا سے معافی مانگنے کی، تو میں ہرگز معافی نہیں مانگوں گی۔ محبت کو رسوا کرنے کے آگے ہی اتنے گناہ میرے سر چڑھ چکے ہیں کہ اب ان کا مزید بوجھ اٹھانا ناممکن ہے۔ میں محبت کو رسوا کرنے کا ایک اور گناہ، اپنے سر میں لینا چاہتی''۔ ذیشان ملک نے دکھ سے اپنی اس خبطی بہن کو دیکھا تھا۔ جس نے محبت کے لئے اپنی پوری زندگی برباد کر ڈالی تھی وہ اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''مجھے بس دکھ ایک بات کا رہے گا کہ میں کچھ لوگوں کے اصل چہرے بے نقاب کر کے اپنی محبت کو انصاف نہیں دلا سکی۔'' ذیشان ملک جاتے جاتے رکے تھے۔

''اور میری آخری گزارش بھی سن لیجئے۔ بابا جان کو میرا ایک پیغام دے دیجئے گا کہ میرے کئے کی سزا اس گھر کی بچیوں کو مت دیجئے'' ہر لڑکی نایاب سرمد جیسی نہیں ہوتی۔'' ذیشان ملک جواباً مرے قدموں سے تہہ خانے کا بیرونی دروازہ پار کر گئے تھے۔

روشنی کی چلتی رکتی سانسوں کا ہی سے انت ہو گیا تھا۔

✦✦✦

بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا مگر مکمل طور پر نہیں ہلکی ہلکی بوندا باندی، اب بھی جاری تھی مگر اب اس میں طغیانی نہیں رہی تھی۔ وہ دونوں گاؤں سے بہت دور نکل آئے تھے۔ ایک چھتری میں ٹھٹھرتے دو ننھے وجود سرد، ہواؤں کے تھپیڑے سہتے اس ویران سڑک پر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چلتے جا رہے تھے۔ ان دو معصوموں کی کوئی منزل نہیں تھی۔ کوئی پڑاؤ نہ تھا۔ بس دونوں قسمت کے دھارے پر تھے۔

''عیبو مجھے بھوک لگ رہی ہے، اور دیکھ، میری دونوں ٹانگیں بھی اکڑ رہی ہیں۔ مجھ سے اب اور نہیں چلا جائے گا۔ عیبو'' وہ سخت تکلیف میں تھا اور عیبو دلو کو تکلیف میں دیکھ کر اپنی تکلیف بھول چکی تھی۔ خود اس کے ہاتھ پاؤں فریز ہو چکے تھے۔ سردی سے، ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے۔ مگر اسے اپنی پرواہ نہیں تھی۔ اسے بس دلو کو اس ظالم دنیا سے دور لے جانا تھا۔

''بس دلو تھوڑی ہمت کر بس فجر کی اذان ہونے والی ہے، تو پہلی لاری سے ہم شہر روانہ ہو جائیں گے۔'' اس نے تسلی دی تھی۔

''پیسے ہیں، تمہارے پاس'' دلو نے پوچھا۔

''ہاں، ہیں تم فکر نہ کرو، تمہیں اچھا سا کھانا کھلاؤں گی، بس تھوڑا اور صبر کر لو۔''

''ٹھیک ہے، عیبو'' وہ مان گیا تھا۔

فجر کی اذان چاروں اور گونجنے لگی تھی۔ اندھیرا چھٹا نہیں تھا مگر مدھم ضرور ہو گیا تھا۔ اذان مکمل ہونے کے دس منٹ بعد ہی لاری کی ہیڈ لائٹ دور سے روشن ہوتی دکھائی دی۔ تو عیبو کے سرد بے جان وجود میں جیسے توانائی آئی تھی اس نے دلو کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور لمحہ با لمحہ پاس آتی لاری کو زور زور سے ہاتھ ہلا کر رکنے کا اشارہ کرنے لگی۔ لاری ان کے قریب آ رکی تو کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر وہ فوراً دلو کو لے کر اس میں سوار ہو گئی۔ بس مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ کیونکہ گاؤں کے لوگ اور دور علاقوں میں سفر کے لئے فجر کی اذان کے بعد نکل پڑے تھے۔ کلینڈر نے ان دو ننھے وجودوں کو

www.zemtime.com

سب سے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا کہا تو وہ دونوں خاموشی سے جا کر بیٹھ گئے۔ اس نے دلو کا ہاتھ ابھی تک مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

''ہاں منی! کدھر جانا ہے تجھے۔'' کلینڈر نے ان دونوں کے قریب آ کر پوچھا تو اس نے کلینڈر کی طرف دیکھا۔

''شہر جانا ہے'' وہ بے خوف ہو کر بولی تھی۔

''او، میری پیاری منی کونسے شہر، یہ لاری تو لاہور جا رہی ہے۔'' کلینڈر ہنستے ہوئے بولا۔

''لاہور ہی جانا ہے۔''

''کرایہ ہے تیرے پاس۔''

''ہاں ہے۔''

''تم دونوں اکیلے ہو، کوئی اور نہیں ہے تم لوگوں کے ساتھ۔''

''اماں، ابا، لاہور اسٹاپ پر ہمارا انتظار کر رہے ہیں'' اس کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

وہ ان دونوں کو دیکھتا آگے بڑھ گیا تھا۔ عیبو کو آج باجی رحیمہ کا دیا سبق یاد آ رہا تھا۔ وہ اسے چھوٹی چھوٹی باتیں سکھاتی رہتی تھیں اور یہ بات بھی اسے انہوں نے ہی سکھائی تھی کہ اگر خدانخواستہ کبھی کہیں اکیلے جانا یا سفر کرنا پڑ جائے تو یہ، یہ باتیں کہنی ہیں کس اجنبی کے ساتھ نہیں جانا، کوئی چیز دے، تو نہیں کھانی اور شاید اس موقع کے لئے باجی رحیمہ نے عیبو کو تیار کیا تھا۔ لاری ہواؤں سے باتیں کرتی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

✦✦✦

کیا اندھیروں کے دکھ
کیا اجالوں کے دکھ
جب سزا دیں
مقدر کی چالوں کے دکھ
جن کی آنکھیں نہ ہیں
وہ نہ روئیں کبھی
جان جائیں اگر
آنکھ والوں کے دکھ
میری، منزل کہاں
ہمسفر ہے، کدھر
مار ڈالیں گئے
اب ان سوالوں کے دکھ
تم ملے ہو.....
تمہاری محبت نہیں
ہجر سے بڑھ کے ہیں
وصالوں کے دکھ
دو گھڑی کے لئے
پاس بیٹھو اگر
بھول جائیں ہم کتنے
سالوں کے دکھ
میری سوچوں کے
جلتے ہوئے دشت سے
چھین لے آ، کے
اپنے خیالوں کے دکھ
مار ڈالیں گئے
اب ان سولوں کے دکھ

''روشنیوں کی مدت اتنی کم کیوں ہوتی ہے۔ پل میں حاصل ہوتی ہے اور پل میں ہی چھن جاتی ہے۔ جیسے کبھی ملی ہی نہیں تھی۔ کبھی اس سے آشنائی تھی ہی نہیں اور غم وہ اتنے طویل کیوں ہوتے ہیں کہ ساری زندگی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔'' بوسیدہ سنہری ڈائری ہمیشہ کی طرح آج بھی ہوا کے دوش سے اپنے پنے اُلٹ رہی تھی۔ یہ صرف ڈائری نہیں تھی۔ بیتا ماضی تھا۔ جو ہر پل ان کی یادوں میں قید رہتا تھا۔ وہ آج تک ماضی میں ہی جی رہے تھے۔ وہ ماضی جہاں وہ

www.zemtime.com

اور نایاب ایک ساتھ تھے۔ اس دن وہ کتنے خوش ہوئے تھے جب انہیں معلوم ہوا تھا کہ ان دونوں کے پیار کی نشانی، اس دنیا میں آ رہی ہے۔ وہ جیسے اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت شخص تصور کر رہے تھے کہ انہوں نے اپنی من چاہی ہر شے کو پالیا تھا۔ مگر پھر پتا نہیں کیوں، کیسے، کب کہاں۔ ان کی خوشیوں کو نظر لگ گئی اور پل میں میں ان کا ہنستا کھیلتا آشیانہ بکھر کر رہ گیا، بس یادیں رہ گئیں۔ باقی ان سے ہر شے چھن گئی تھی۔ ہاں اور یہ سبزی ڈائری جو ان کی قیمتی متاع تھی۔ بس یہی سے تو وہ نایاب کی خوشبو محسوس کرتے تھے۔ اس کے نکمے لفظ آج بھی انہیں زندہ رکھے ہوئے تھے۔ یہ جو چلتی رکتی سانسیں تھیں۔ اس کی بدولت ہی تو قائم تھیں۔ یکدم نیلے امبر سے گزرتے کسی پرندوں کے غول نے اپنی چہچاہٹ سے، انہیں ماضی کی یاد سے نکل کر واپس حال میں لا بٹھایا تھا۔ شام کا، سمے تھا رہتی سورج کنارے پر لگا ڈوبنے کو تیار تھا۔ کل دوبارہ، ایک نئی صبح روشن کرنے کے لئے مگر وہ پچیس سال پہلے دکھ کے جس ساگر میں ڈوبے تھے آج تک نہیں نکل سکے تھے۔ وقت جیسے اس ان کے لئے وہی تھم سا گیا تھا۔

''بابا'' ارملان نے انہیں پکارا، تو وہ حال میں لوٹے۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' وہ ان کے پاس بیٹھا، فکرمندی سے، پوچھنے لگا۔

''ہاں میرے، بچے میں ٹھیک ہوں''۔ انہوں نے مسکرا کر تسلی دی تھی۔ شاید اب انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ مزید اپنے دکھوں کا بوجھ کسی اور پر مسلط نہیں کریں گے۔

''ہاں، ٹھیک ہوں تم سناؤ، کیسا کام جا رہا تمہارا۔'' انہوں نے اس کے بزنس کی بابت پوچھا تو وہ مسکرایا۔ اسے، اب یقین ہو چلا تھا کہ اس کے بابا واپس نارمل زندگی کی طرف، لوٹ آئیں گئے۔

''جی بابا، اچھا جا رہا ہے، ویسے بابا میں کچھ سوچ رہا تھا۔'' وہ بولا تو شاہ ویز چونکے۔

''اچھا ہمارا بیٹا، کیا سوچ رہا تھا۔''

''بابا میں چاہتا ہوں، آپ میرے ساتھ آفس جایا کریں۔'' اس نے کہا تو وہ مسکرائے۔

''یعنی، تم مجھے واپس نارمل زندگی کی طرف لانے کی کوششوں میں ہو۔'' وہ اس کے دل کا حال جان گئے تھے۔

''بابا میں جانتا ہوں، آپ کا دکھ، بہت بڑا ہے مجھ سے ہی بڑا مگر بابا میں چاہتا ہوں، آپ نارمل زندگی کی طرف لوٹیں میں اس دکھ کو آپ سے مکمل بھول جانے کا نہیں کہہ دیا۔ وہ دکھ ہماری زندگی میں ہمیشہ رہے گا اسے کوئی بھی نہیں بھلا سکتا مگر بابا آپ نے کبھی سوچا ہے۔ آپ کو ایسی حالت میں دیکھ کر ماما کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ انہوں نے آپ کے لئے ایسا تو نہیں چاہا تھا۔ پلیز بابا آپ ماما کے لئے، واپس زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔'' ارمان کے لہجے میں التجا تھی انہوں نے جواباً اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

''ٹھیک ہے میں چلوں گا، تمہارے ساتھ آفس، اب خوش''۔ انہوں نے حامی بھری تو فرطِ مسرت سے ارمان فوراً ان کے بسنے سے لگ گیا۔

''تھینک یو، سو مچ بابا۔'' وہ بہت خوش تھا۔ شاہ ویز نے بھی جواباً اپنے مضبوط بیٹے کو اپنی کمزوری بانہوں میں بھینچ لیا تھا۔ اور دور دروازے سے رحمو کاکا، یہ منظر دیکھ کر بار بار اپنے رب کا شکر ادا کر رہا تھا۔

www.zemtime.com

آخر اس کے صاحب، واپس لوٹ آئے تھے۔ یہ اس کے لئے دنیا کی، سب سے بڑی خوشی تھی۔ وہ شکرانے کے نوافل ادا کرنے کے لئے تیزی سے واپس مڑ گیا تھا۔

✧✧✧

وہ کتنی دیر وہی ساکت بیٹھی رہی تھی اب آنسو بھی بہہ بہہ کر خشک ہو گئے تھے تو کیا یہ زندگی اس کا مقدر تھی۔ کیا اب اسے ساری زندگی اس قید میں رہنا تھا۔ زندگی ہمیشہ اس کے ساتھ ہی کیوں کھیل کھیلتی تھی۔ پہلے اسے اس دنیا میں لاوارث پھینک دیا وہ کون تھی؟ کیا تھی؟ وہ آج تک ان سوالوں کے جواب نہیں ڈھونڈ سکی تھی اور اس کی قسمت نے ایک نیا قصہ اس کے حصے میں لکھ دیا تھا۔ وہ وہاں سے بمشکل اٹھی تھی۔ بنا کوئی حرکت کیے ایک جگہ بیٹھنے سے اس کا جسم اکڑ گیا تھا۔ اٹھتے ہوئے اس کی نظر دیوار پر پڑی تو وہ بوکھلا گئی۔ دیوار پر خون کی ایک لمبی لکیر فرش تک جمی ہوئی تھی۔ یہ وہی دیوار تھی جہاں کچھ دیر قبل ''یور ڈریمر'' نے غصے سے مکا مارا تھا۔ دیوار کے ساتھ کوئی کیل پیوست تھی۔ جو اس کا ہاتھ زخمی کر گئی تھی وہ آگے بڑھی تو زمین پر اسے جا بجا خون کی ننھی بوندیں نظر آئیں جو اوپر سے لے کر، سیڑھیوں سے نیچے آتے لاؤنج تک پھیلی ہوئی تھیں سامنے ہی ایک صوفے پر ''یور ڈریمر''۔ ریلکس موڈ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہانیہ کی نظر اس کے چہرے سے ہوتے ہوئے اس کے ہاتھ پر پڑی تو وہ دھک رہ گئی۔ خون ابھی بھی اس کے ہاتھ سے بہہ رہا تھا۔ اس نے کوئی سفید کپڑا، اُلٹا، سیدھا ہاتھ پیر باندھا ہوا تھا۔ جو سرخ خون سے، رنگین ہو چکا تھا۔ ''یور ڈریمر'' اسے مکمل نظر انداز کئے موبائل فون میں مصروف تھا۔ وہ ہمت کرتے کرتے آگے بڑھی۔

''وہ، آپ کے، ہاتھ سے، خون بہہ رہا ہے۔'' اسے بچپن سے ہی کسی کا خون نکلتے دیکھ کر ڈر لگا کرتا تھا۔ سرخ سرخ خون دیکھ کر اس کی حالت خراب ہو جاتی تھی۔ وہ خوفزدہ ہو جاتی۔

''معلوم ہے مجھے'' لاپرواہ سا انداز ہے۔

''مم۔ مجھے خون سے ڈر لگتا ہے، پلیز آپ اس کو بہنے سے روکیں'' وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہراس واضح نظر آ رہا تھا۔ ''یور ڈریمر'' اس کی حالت کے پیش نظر فوراً اٹھا تھا۔

''اچھا ریلکس میں ابھی اسے صاف کرتا ہوں تم پریشان نہیں ہو، وہ فوراً کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا اور چند لمحوں بعد اس کے دوسرے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ کا سامان تھا۔

''میری بینڈیج کر دو گی۔'' اس نے پوچھا تو اس نے فوراً سر اثبات میں ہلایا تھا۔

✧✧✧

دل کے بارے میں
میرا بس اتنا کہنا ہے
اس کو توڑو نہیں!
یہ بہت قیمتی گہنا ہے
تیرے جانے پہ دل
کیوں نہ افسردہ ہو
ہجر کا سب درد تو
دل کو ہی سہنا ہے
میں تو صاف کہتا ہوں
بے وفا ہے تو
تو بتا!
تیرا میرے بارے
میں کیا کہنا ہے
تیری کیا جرات
تو نکالے مجھے دل سے
مجھے خود ہی اب اتنی

www.zemtime.com

بھیڑ میں نہیں رہنا ہے
یہ تم سوچو تو
زندگی وہ دریا ہی تو ہے
جس میں بہنا ہے
تو تمہیں بہتے رہنا ہے
دل کے بارے میں
میرا بس اتنا کہنا ہے
اس کو توڑو نہیں!
یہ بہت قیمتی گہنا ہے

شایان صدیقی، اپنے کمرے میں ریلکس سا ایزی چیئر پر بیٹھا ہوا ٹیپ ریکارڈ پر بار بار سا غزل کو سنے جا رہا تھا اور یہ سنتے ہوئے اسے کئی گھنٹے بیت گئے تھے۔

دل کے بارے میں
میرا بس اتنا کہنا ہے
اسے توڑو نہیں!
یہ بہت قیمتی گہنا ہے

وہ جب سے سرمد ملک کی حویلی سے واپس لوٹا تھا۔ انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ نایاب کی آنکھوں میں اس کے لیئے بے زاری، نفرت صاف دیکھائی دے رہی تھی اور اسی نفرت نے اسے بے چین کر کے رکھ دیا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو۔ شایان صدیقی وہ تو تمہاری ضد تھی۔ جسے تم نے برباد کرنا تھا تو پھر کیوں اس کے رویے کو سوچ رہے ہو۔ وہ جیسا چاہے تم سے برتاؤ کرے تم تنے تو اس سے بدلہ لینا ہے۔'' سامنے قد آور شیشے پر اچانک اس کا عکس لہرایا تھا۔

''ہاں وہ میری ضد ہے مگر.....'' وہ یک دم خاموش ہوا۔

''ضد میں اگر مگر نہیں چلتی، شایان صدیقی تم مان لو، تم ضد کی آگ میں نہیں محبت کی آگ میں جل رہے ہو۔'' اس کے سائے نے قہقہہ لگا کر جیسے اسے حقیقت کا آئینہ دیکھایا تھا۔

''نہیں، وہ میری ضد ہے میں پہلے اس سے محبت کرتا تھا، اب نہیں''۔ اس نے گھبرا کر وضاحت دی تھی۔

''میں نے وضاحت کب مانگی تم سے اور وضاحتیں، دلیلیں محبت میں دی جاتی ہیں، شایان صدیقی، ضد نفرت میں نہیں۔'' سائے نے دوبارہ اسے زیر کیا تھا۔

''تم قبول کرلو، کے نایاب سرمد آج بھی تمہارے حواسوں پر سوار ہے۔''

''نفرت ہے مجھے نایاب سرمد سے اس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ شایان صدیقی کو ٹھکرایا ہے اور اپنی ذات کی نفی شایان صدیقی کو قطعی پسند نہیں۔''

اس نے غصے سے سائیڈ ٹیبل پر پڑا گلدان دیوار قد شیشے پر دے مارا تھا۔ چھناک کی آواز سے شیشہ کرچی کرچی ہو کر پورے کمرے میں بکھر گیا تھا۔

''نایاب سرمد کا میں وہ حشر کروں گا کہ وہ نہ زندوں میں رہے گی نہ مردوں میں''۔ وہ چلایا تھا۔

اور شایان صدیقی نے اپنا یہ عہد دل سے پورا کیا تھا۔

✧✧✧

''تم جیسی بے فا بے مروت، دوستیں میں نے آج تک نہیں دیکھی۔''

وہ تابندہ اور زکیہ پر بھری بیٹھی تھی جو اس کی طرف فرحان کی شادی کی مبارک باد دینے آئی ہوئی تھی۔

''ابھی دونوں نہ آئیں تو میں مر نہ جاتی۔'' وہ اموشنل ہوئی تھی۔

www.zemtime.com

''تابندہ ذرا وہ نمکین بسکٹ پکڑانا منہ کا ذائقہ ہی خراب ہوگیا ہے'' وہ دونوں اس سے لاتعلق ہوکر چائے بسکٹ میں مصروف تھیں۔

''ہٹو ندیدیوں'' اس نے تابندہ کے بسکٹ اُٹھانے سے پہلے ہی پلیٹ اٹھالی۔

''جب تک تم اپنا غصہ نکالتی ہو تب تک ہمیں چائے بسکٹ تو کھانے دو۔''

تابندہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''اللہ پوچھے، تم دونوں کو۔''

''تمہیں بھی ہدایت دے آمین!'' ذکیہ ترکی باترکی بولی۔

''مرو کم بختو، مجھے بات ہی نہیں کرنی۔'' وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی۔

''یہ بات تم پچھلے دو دن سے دہرا رہی ہو، ابھی تک جی نہیں بھرا تمہارا کیا۔'' تابندہ بولی تھی۔

''اور، جو تم دونوں نے میرے ساتھ دھوکہ کیا۔''

''قسم سے یار، میں فیصل آباد ماموں کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ ان کا بائی پاس ہوا تھا۔ تو جانا ضروری تھا۔'' ذکیہ نے وضاحت دی۔

''اور میرا بھی یہی مسئلہ تھا۔ میرے سسرال والے آئے ہوئے تھے مجبوری تھی۔ ورنہ یہ ہوسکتا تم بلاؤ اور ہم نہ آئیں۔'' اس نے محض سر جھٹکا۔

''اب تو بسکٹ دے دو'' تابندہ کا ندیدہ پن پھر جھلکا۔

''کھاؤ، مرو، آگے ہی بارہ من کا بورا بنی ہوئی ہو۔'' اس نے پلیٹ ان کے سامنے پٹخی۔

''خیر ہے، میرے والے کو بارہ من بھی قبول ہے تم اپنی سوچو، شاہ ویز بھائی کی، کیا ڈیمانڈ ہے'' تابندہ نے اسے آنکھ ماری تو وہ شاہ ویز کا نام سنتے ہی گلال ہوئی۔

''ہائے لالیاں چھلک اٹھی ہیں پلکوں کی چلمن گرنے لگی ہے۔'' ذکیہ نے شاعرانہ انداز میں اسے چھیڑا تو اس نے پاس پڑا کشن اسے کھینچ مارا۔

''انتہائی لوفرانہ طبیعت پائی ہے تم دونوں نے۔''

''تو، جو ہیں سو ہیں۔ تم اپنا تو بتاؤ چھپتے بھی نہیں صاف نظر آتے بھی نہیں۔'' تابندہ نے اسے زچ کر ڈالا تھا۔

''تبو ابھی سے شرما رہی ہے۔'' ذکیہ نے تابندہ کے کندھے پر اپنا سر رکھ کر شرمانے کی ایکٹنگ کی۔

''بنو، ہماری نایاب کا شرمانا پتا ہی تو ہے۔''

''آہستہ، بکو، کوئی سن لے گا۔'' اس نے دبی آواز میں کہا تو وہ دونوں قل قل کرنے لگیں۔

''ویسے شاہ ویز بھائی سے میری کل بائی ہو تھی۔ ماشاء اللہ کافی اچھی جاب ملی ہے انہیں'' ذکیہ نے بتایا تو وہ متوجہ ہوئی۔

''ہاں مجھے بھی بھائی کی شادی والے دن کال آئی تھی ان کی۔'' نایاب نے بتایا۔

''اچھا کیا بات ہوئی تھی'' تابندہ نے پوچھا تھا۔

''بس وہی نارمل باتیں۔ رشتہ لانے کا پوچھ رہے تھے۔''

''تو، تم نے پھر کیا جواب دیا'' ذکیہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے پوچھا۔

''فل وقت تو منع کر دیا ہے، ابھی حالات اچھے نہیں ہیں۔''

(باقی اگلے ماہ)

www.zemtime.com